**پروفیسر نیلوفر زمان**
شعبۂ اردو، وفاقی اردو یونیورسٹی،
عبدالحق کیمپس، کراچی۔

# احمد ہمدانی کی شا گھنگی ی
# ترقی پسند تحریک کے تناظر میں تحقیقی تجزیہ

# POETRY OF AHMED HAMDANI: IN PERSPECTIVE OF PROGRESSIVE MOVEMENT, A RESEARCH ANAYLISIS

**Abstract**

Ahmed Hamdani is one of thepoet who has brought a revolutionary change in the poetry.He has proved his identity in the modren poetry.He raised his voice against the class differentiation between rich and poor societies, the sectarians and the unjustified attitude of the communities.according to him the rich people were becoming richer and poorer.

He had also been supporting the doctrine of Progressive Movement(Tarraqui Passand Tehreek).His poetry also highlighted issues which pertained to land lords,governing class,factory owners,capitalist and a common man who have face all the difficulties to earn his bread and butter.

Poetry of Ahmed Hamdani had a point of view of Progressive Movement(Tarraqui Passand Tehreek), common man's issues had been always been the subject of his poetry.He opposed capitalism and feudalism with full force in a literary way.

***short keys:*** *Progressive Movement (Tarraqui Passand Tehreek), Poetry, Society, common people, feudalism.*

برصغیر کا منظر نامہ سماجی، سیاسی اور عالمی تبدیلیوں کے اثرات رکھتا ہے۔ یہ اثرات اردو زبان وادب پر بھی پڑے اور اردو غزل بھی ان اثرات سے متاثر ہوئی۔ اردو غزل گوئی کی روایت فارسی ادب سے مستعار ہے۔ غزل کے لغوی معنی تو محبوب سے باتیں کرنا[۱] ہے لیکن سماجی تبدیلیوں اور مغربی اثرات کے تحت رونما ہونے والی ادبی تحریکوں جیسے علی گڑھ تحریک، انجمن پنجاب کی تحریک اور ترقی پسند مصنفین کے زیرِ اثر اردو غزل نے سماجی، سیاسی اور عالمی تبدیلیوں کو بھی اپنے اندر سمیٹ لیا۔ اردو غزل کی روایت جب ترقی پسند تحریک کے زیرِ اثر آگے بڑھی تو ہم دیکھتے ہیں کہ اردو غزل نے عشق و محبت کے موضوعات یعنی ''غمِ جاناں'' سے ''غمِ دوراں'' کے اظہار کو بھی ویسا ہی حسن بخشا جو غزل کی پہچان رہا۔ گو کہ اس زمانے میں نظمیں بھی لکھی گئیں لیکن ترقی پسند شعراء نے اپنی فکری اور تحریکی مقصدیت کو غزل میں بھی جابجا پیش کیا۔

احمد ہمدانی (ولادت: ۱۹۲۴ء۔ وفات ۲۰۱۵ء) بیسویں صدی کے اس منظر نامے سے جڑے تھے۔ جس میں ماضی کی غزل گوئی نئے دور سے ہم آہنگ ہو رہی تھی۔ میرٹھ میں ادبی طور پر فعال رہے اور قیام پاکستان کے بعد کراچی ہجرت کی۔ [۲] ۱۹۵۱ء میں بحیثیت صداکار ریڈیو پاکستان میں اپنا لوہا منوایا[ ۳] اور بحیثیت شاعر اپنی انفرادیت کو تسلیم کرایا۔ ترقی پسند تحریک کے نظریہ کی پاسداری تمام عمر کی اور اپنی تخلیقات اور تنقیدی مضامین میں ہمیشہ نظریہ کو مقدم رکھا۔ سماجی طبقات کے خلاف آواز اٹھائی۔ انھوں نے غور و فکر کو اپنا شعار بنایا یہی وجہ ہے کہ ان کی تصانیف ترقی پسندی کا معیار قرار پائیں۔ ریڈیو کی مصروف زندگی کے باوجود وہ ادبی سرگرمیوں کی بھی جان رہے۔ ریڈیو کے ادبی پروگرام احمد ہمدانی کی انفرادیت کے گواہ ہیں۔

جدید دور میں ''ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں'' کی حقیقت مثلِ آئینہ ہو گئی۔ ترقی پسند تحریک کے بنیادی اجزائے ترکیبی یعنی مزدور اور مالک، سرمایہ دار اور مزدور، زمیندار اور ہاری، مزدوروں، ہاریوں کے مساویانہ حقوق کی بات ترقی پسندی کا منشور قرار پائی۔[۴] ترقی پسند تحریک کے زیر اثر لکھا جانے والا ادب معاشرے کی ترجمانی کے ساتھ ساتھ ان مسائل کی جانب بھی متوجہ کرتا ہے جو سماج میں مزید مسائل کو جنم دیتے ہیں اس میں بنیادی نظریہ روٹی، کپڑا اور مکان کا ہے۔ یعنی تمام انسانوں کو بنیادی ضروریات زندگی حاصل ہوں۔ ترقی پسند ادب نے رجحان، تخلیق اور عمل کو فروغ دیا۔ نعروں کی سیاست سے عملی اقدامات کی جانب قدم بڑھایا۔ ترقی پسند شاعری نے زندگی کے وہ موضوعات چنے جن پر بہت کم لکھا گیا یا لکھا ہی نہیں گیا۔ کہیں کہیں ترقی پسندی سماجی اقدار کی بازیافت بھی کرتی ہے اور قابل اعتراض اقدار پر قدغن بھی لگاتی ہے۔ ترقی پسند شاعری میں شعراء جبر کے خلاف آواز بلند کرتے اور براہ

راست قاری سے مکالمہ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ابتدائی ادوار میں گھن گھرج کی علامت قرار دیا جانے والا یہ ادب آج تاریخ کا حصہ ہے اور اس کے بغیر اردو ادب اور اردو شاعری کی افادیت کا بیان ممکن نہیں۔ترقی پسند شاعری کے اہم موضوعات میں طبقاتی معاشرہ، مزدوروں اور محنت کشوں کے حقوق کی پاسداری، وطنیت، پرانے وڈیرہ شاہی نظام کی مخالفت اور برابری کے حقوق کا مطالبہ ،عوام کے مسائل اور ان کا حل شامل رہے۔

احمد ہمدانی بیسویں صدی کے اہم ترقی پسند شعراء میں اپنے علم ودانش اور فکری وابستگی کے سبب شمار کیے جاتے ہیں۔انھوں نے پی۔آر۔سے زیادہ کام کو ترجیح دی۔ان کی غزل گوئی کا آغاز ۱۹۴۶ء میں ہوا۔[۵] باوجود اس کے فکری اور قلبی طور سے ترقی پسند تحریک سے وابستہ ہیں۔احمد ہمدانی کی غزلیں کلاسیکیت اور جدید اسلوب رکھتی ہیں۔ابتدائی شاعری واردات قلبی اور غم دوراں کے خارجی عوامل کے ساتھ ساتھ تازہ کاری لیے ہوئے ہے۔

احمد ہمدانی کی غزلوں کا پہلا مجموعہ ''پیاسی زمین'' ۱۹۷۱ء میں شائع ہوا۔ جس میں ۸۳ غزلیں شامل ہیں۔'' افتتاحیہ '' کے عنوان سے معروف نقاد مجنوں گورکھپوری کا مضمون ان کی شاعری کے پوشیدہ گوشوں کو سامنے لاتا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

> '' احمد ہمدانی سنبھل کر شعر کہتے ہیں۔ان کی غزلوں میں جواُن کا اصلی سرمایہ ہے،ایمائیت اور ابہام کے باوجود کسی قسم کا الجھاؤ نہیں ہے۔وہ بغیر کھلے ہوئے، ہلکے اشاروں میں اپنے تاثرات کو سننے اور پڑھنے والوں پر واضح کر دیتے ہیں۔جو اچھی علامت ہے۔''[۶]

اسی مجموعے میں ''آئینہ '' کے عنوان سے شاعر نے خود شناسی کے عمل سے گزر کر اپنے قارئین کو مخاطب کیا ہے اور اپنی شاعری کو مجبوری سے تعبیر کیا ہے۔اپنی غزل گوئی پر ان کی رائے ان کے نظریہ اور طرز زندگانی کی ترجمان ہے۔وہ لکھتے ہیں:

> '' میری یہ غزلیں زندگی کے کچھ دکھوں کی تصویریں ہیں۔'' [۷]

فیض احمد فیض نے کہا تھا:

لوٹ جاتی ہے ادھر کو بھی نظر کیا کیجے
اب بھی دلکش ہے ترا حسن مگر کیا کیجے

احمد ہمدانی کی نظر سماج اور انسان کے تعلق سے ان مسائل اور مصائب سے ہٹتی ہی نہیں۔ان کی غزلیں ان کے ذاتی زندگی اور خارجی تجربات کا عکس ہیں۔

ہمارے نام سے ہی لوگ ہم کو پہچانیں

وفا و مہر کے رشتے تو اب رہے بھی نہیں [۸]

جدید شاعری کی تعریف یہی ہے کہ روایتی شاعری کی اخلاقیات اور اقدار سے دامن چھڑا کر اپنے ذاتی تجربے کو شعر کا پیراہن عطا کیا جائے۔ فکری طور پر ترقی پسند شاعری میں یہی روش دکھائی دیتی ہے۔ ''پیاسی زمین'' کی غزلوں میں علامتوں اور تمثیلوں کے ذریعے ایسی ہی فضا ابھارنے کی کوشش نظر آتی ہے۔ سماجی اخلاقیات کی گراوٹ اور ریاکاری، جھوٹ، فریب سے بچ کر انسان نے فطرت میں پناہ ڈھونڈنا چاہی لیکن زمین ایسی تنگ ہوئی کہ حساس دل رکھنے والا انسان تڑپ کر رہ گیا۔

اکیلے آئے تھے دشتِ جنوں میں ہم لیکن
یہاں بھی شہر بسا کر چلا گیا کوئی [۹]

''پیاسی زمین'' کے انتخاب کے دوران میری نظر سے جو اشعار گزرے ان میں سے بیشتر اشعار احمد ہمدانی کی خاص فکر اور ترقی پسندی کے ترجمان ہیں۔ ان اشعار کا انتخاب ملاحظہ کیجئے۔

جو ذکر چلے تھے وہ کچھ نئے نہ تھے
مگر یہ بات کہ دل اس طرح دکھے نہ تھے

—

ہمارے نام سے لو دے رہے ہیں زخم وہاں
دکھوں کی بات جہاں لوگ جانتے بھی نہ تھے [۱۰]

—

رُکی رُکی سی ہوائیں گھُٹا گھُٹا ماحول
یہ رات رات اندھیرا کہاں چلے آئے

—

گھروندا ایک بنایا تھا ہم نے خوابوں کا
گرا کے خود وہ گھروندا کہاں چلے آئے [۱۱]

—

نہ آرزو ہی تھی دل میں نہ کچھ طلب ایسی
نہ جانے پھر بھی ہمیں کیوں ستا گیا کوئی [۱۲]

—

کائنات کے دل میں درد سا یہ کیوں اٹھا

ہم تو اس محفل سے مسکراتے آئے ہیں [۱۳]

مذکورہ اشعار میں ترقی پسندی اپنی جگہ قیام پاکستان کے بعد کے مسائل اور سماجی شکست وریخت کو بھی محسوس کیا جاسکتا ہے۔احمد ہمدانی نے گھن گرج کا اسلوب اختیار نہیں کیا وہ طبعاً نفیس اور امن پسند اور دھیمے لہجے کے شاعر ہیں۔ باہر کے شور شرابے کو اپنے اندر کے سکون پر اثرانداز نہیں ہونے دیتے۔اپنے کرب اور اضطراب کو دھیمے لہجے میں بیان کرتے ہیں۔ان کی ذات میں ہجرت اور ہجرت کے بعد کے مسائل کا دکھ ٹھہرا رہا۔وہ سماجی انصاف،امن و آتشی کے داعی اور مدعی رہے۔''پیاسی زمین'' کی غزلیں ان کے خلوص اور فن کی ترجمان ہیں۔پروفیسر اسلم فرخی نے انھیں بحیثیت غزل گو ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

''احمد ہمدانی غزل کا شاعر ہے۔اس کی فکر کے جوہر اس کے احساسات زندگی کے کسی ایک رُخ یا کسی خاص پہلو پر ہی محیط نہیں،ان میں ہمہ گیری اور بے چارگی کا شدید احساس بھی ہے۔ صنعتی معاشرہ کی بے رحمی کا گلہ بھی،جمالیات کا رچا ہوا ذوق بھی ہے،محبت کی سلیقہ مندی اور گل و ثمر کو اپنے دامن میں سمیٹ لینے کی شدید خواہش بھی۔'' [۱۴]

احسن فاروقی [۱۵] نے ان کی غزلوں میں نظم کی روانی دریافت کی اور جدید غزل گوئی کا کرشمہ قرار دیا۔''پیاسی زمین''اپنے عنوان سے بھی شاعر کی فکری انفرادیت اور تمثیل نگاری کا عکس لیے ہوئے ہے۔اپنے معاصر شعراء میں احمد ہمدانی نے نا صرف غزل کے مناسبات اور تلازمات کو جدت سے استعمال کیا بلکہ انھوں نے ترقی پسند تحریک سے وابستگی کے عنصر کو بھی ملحوظ رکھا نہ وہ فرض سے غافل ہوئے نہ نظریہ سے۔اردو شاعری کی تاریخ میں ترقی پسند ادب بالخصوص شعری سرمائے میں جس قدر اضافہ ہوا وہ قابلِ رشک ہے۔اردو غزل کو نیا آہنگ اور نیا روپ دینے میں ترقی پسند تحریک کو دخل ہے۔احمد ہمدانی نے ماضی کی تلخیوں کو حال سے پیوست کر کے نئے تجربات اور نئے اسلوب کو اپنی شخصیت کا ذاتی حوالہ بنا ڈالا۔

احمد ہمدانی کا دوسرا مجموعہ ''ہجر کی چھاؤں'' ۱۹۹۸ء میں شائع ہوا۔ جس میں ۵۶ غزلیں شامل ہیں۔پہلے مجموعہ کی اشاعت کے ستائیس سال بعد اس مجموعہ کی اشاعت ہوئی۔اس میں شامل غزلیں تعداد میں پہلے مجموعے سے کم اور بالحاظ اسلوب مزید نکھری ہوئی ہیں۔بیسویں صدی کی آخری دہائی کہ جب دنیا نقشے سے نکل کر خلا کی حدود تک جا پہنچی ۔جدید ذرائع نقل و حمل سے انسان اتنا حیران نہیں تھا جتنا کمپیوٹر،انٹرنیٹ اور سٹیلائٹ سے ششدر ہوگیا۔ جام جم کی مانند انٹرنیٹ نے سات سمندروں کے فاصلے سمیٹ لیے۔اتنی ترقیوں کے باوجود زمین بنی آدم کے کمزور، محکوم،مزدور، غریب انسان کے لیے دو وقت کی روٹی،رہنے کا ٹھکانہ فراہم نہ کر سکی۔ سرمایہ دار اور وڈیرہ شاہیوں نے انسان کی وقعت کو کم کیا،غربت

مزید بڑھی اور انسان کی اخلاقی اقدار بھی صنعتی و ٹیکنالوجی کے معاشرے میں گم ہو گئیں۔

''ہجر کی چھاؤں'' عنوان سے ہی انسان کے انسان سے بچھڑ جانے کا المیہ بیان کر رہا ہے۔ ''پیاسی زمین'' استعارہ تھا امیدوں کا، ان دنوں کا جو نئے تناظر اور نئے جذبات سے وابستہ تھے لیکن ''ہجر کی چھاؤں'' استعارہ ہے اس روایت کا جو اردو غزل میں وصل کے لیے ناگزیر ہے۔ یعنی جدائی کی ٹھنڈک میں کئی نئے تلازمات کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔ ہجر مشروط نہیں وصل سے مگر امید ہے آس ہے کہ ملاقات ہو گی۔ اب ایک نیا منظر نامہ شاعر کو درپیش آیا اس نے محسوس کیا کہ انسان انسان سے جدا ہو گیا اب باہمی تعلقات میں اشیاء کو فرد پر برتری حاصل ہو گئی۔ جدید ذرائع سے سات سمندر پار شخص سے گفتگو ہو رہی ہے اور پڑوسی بھوکا سو رہا ہو تو معلوم نہیں ہوتا۔ اب ''پیاسی زمین'' کے سے شکوے کی جگہ وہ راحتیں اور امن یاد آ رہا ہے جس میں مسرت تھی، خوشی تھی، سب کا دکھ درد میں شریک ہونا اور ایک دوسرے کے لیے فکر مند ہونا۔ اب زمین اور سرحدیں دلوں پر بھی مسلط ہو گئیں۔

ہجر کی چھاؤں میں جیے کیسے
وہ بھلا کب یہ سوچتا ہو گا [۱۶]

اب انسان انسان سے خوف زدہ ہے۔ نئے دور کا انسان آسائشوں کا عادی ہو گیا اور انسانوں سے یا ان جذبات و احساسات سے عاری ہو گیا۔ دل ویران ہو گئے اور مکان دنیا بھر کے سامانوں سے بھر گئے۔ ایک غزل میں ایسا ہی کچھ منظر نامہ بیان کیا گیا ہے۔

پتہ پتہ پیڑ سوکھے کیوں ہواؤں سے کہیں
دل ہوئے ویران کیسے کیوں ہواؤں سے کہیں

---

نہ اندھیروں کی لکیریں رینگتی ہیں کس لیے
ہم اجالوں میں بھی سہمے کیوں ہواؤں سے کہیں

---

اُڑ رہی ہے گرد اتنی سانس لینا ہے محال
جی لیے ہم پھر بھی کیسے؟ کیوں ہواؤں سے کہیں

---

ہر طرف پھیلی ہوئی ہے پیلی پیلی ریت اب
کیا ہوئے وہ سبز پودے کیوں ہواؤں سے کہیں [۱۷]

شہر کی زندگی میں ماحولیاتی تبدیلی کے ساتھ ساتھ انسانی رویوں کی ترجمان یہ غزل ایک المیہ بیان کرتی ہے کہ انسان نے انسانوں سے ہی نہیں فطرت سے بھی دامن چھڑا لیا ہے۔اب انسان کو نت نئی ٹیکنالوجی عزیز ہے جبکہ زندگی کے عناصر میں اس سے عدم توازن بڑھتا جارہا ہے جو زمین پر اس کے وجود کے لیے خطرہ ہے۔اس کے ساتھ ہی احمد ہمدانی بیسویں صدی کی آخری دہائی میں رونما ہونے والے حالات وواقعات کی منظر کشی بھی اپنے اشعار و غزل میں کر چکے ہیں کہ جب شہر میں روز ایک گھر برباد ہوتا تھا اور حاکم وقت بے فکر سوتا تھا۔ہر دن کسی نہ کسی کو بے وجہ،بلا سبب،ذات،رنگ،نسل،زبان،علاقہ کے سبب نامعلوم لوگوں نے قتل کر دیا اوران مقتولین سے وابستہ زندگیاں دربدر پھرتی رہیں۔عوام دہشت گردی کے ہاتھوں تنگ اور مجبور اپنی زندگی کے دن گزارتے رہے اور حکمران کہ جو روزِ قیامت ان سب کے جوابدہ ہیں وہ بے فکری سے اپنی عیاشیوں میں مگن رہے۔

یہ زندگی ہے یہاں رنج سے بھی کیا حاصل
ہمیں تو دیکھو کہ ہم زخم زخم ہنستے ہیں [۱۸]

—

دہشتوں نے جمائے ہیں ڈیرے
سہمے سہمے ہیں جسم و جاں لوگو

—

ہر طرف ناچتے ہیں کچھ آسیب
اب یقیں ہے نہ کچھ گماں لوگو

—

وہم کے سانپ رینگتے ہیں کیوں
ہنستے بچوں کے درمیاں لوگو [۱۹]

—

وہ ایک شخص بظاہر تو پرسکوں ہے بہت
وہ ایک شخص مگر بے قرار کیسا ہے [۲۰]

''ہجر کی چھاؤں'' میں کراچی کے سماجی وسیاسی منظر نامے کے ساتھ ساتھ روایتی غزل کے رنگ میں بھی کئی غزلیں مل جاتی ہیں۔اس مجموعے میں شاعر کے جذبات واحساسات میں پختگی کے ساتھ ساتھ دلی واردات بھی خارجی مظاہر سے جڑی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔اب ماضی کی محبتیں اور حال کی قربتیں

واضح صورت گری کرتی نظر آتی ہیں۔

اک نظر ڈالی کس نے؟ دل میں دھومیں مچ گئیں
کیا زمانہ تھا جسے اپنا سمجھ بیٹھے تھے ہم [۲۱]

—

میں حال دل کہوں تو نہ نظریں اُٹھائے وہ
اور اس کے بعد خوب فسانے بنائے وہ

—

یوں تو ہے دل دُکھانے سے ہر لحہ شغل اسے
لیکن دُکھوں کی راہ میں بھی جی کو لُبھائے وہ [۲۲]

—

اُس سے ہو جائیں جو مایوس، یہ ہوتا بھی نہیں
جیتے جی اس سے ملیں ہم یہ بھروسا بھی نہیں

—

اپنی چاہت پہ بہت ناز ہے ہم کو لیکن
کوئی دنیا سے انوکھا تو یہ قصہ بھی نہیں

—

بن گئی جان پہ کیا کیا نہ ہمارے لیکن
کیا سبب ہے تری رنجش کا یہ پوچھا بھی نہیں [۲۳]

مذکورہ اشعار روایتی غزل کا وہ روپ ہیں جس سے اردو شاعری میں غزل آبرو قرار پاتی ہے۔ احمد ہمدانی نے فنکارانہ مہارت سے عاشقانہ اشعار کو سادہ بیانیہ عطا کیا۔ ان کی غزلوں میں قافیہ ور دیف کی ندرت انھیں روایت وجدّت کا انفرادی شاعر منواتی ہے۔ ہر شعر گویا عام انسان کے دل کی آواز ہے اور شاعر نے عوامی طرز کو زیادہ ترجیح دی ہے۔

احمد ہمدانی کا اسلوب سادہ اور رواں ہے۔ ان کی غزلیں جدید دور کے غزل گو شعراء میں نمایاں اہمیت کی حامل رہی ہیں۔ روایتی استعاروں، اور تشبیہات کے ساتھ ساتھ علامت نگاری کا بھی خوبصورتی سے استعمال کیا ہے۔ کہیں کہیں ہندی کے الفاظ بھی شعر کا لطف دوبالا کرتے ہیں جیسے:

اپنی کتھا کہانی بابا!!
کس کس سے دہرائیں گے [۲۴]

—

من موہنی اداؤں کو ملتی ہیں صورتیں
خوشبو یہ کس کی خود میں بسائے ہوئے ہے رات [۲۵]

احمد ہمدانی کا ربط فکری طور پر ترقی پسند تحریک سے رہا ہے اور ترقی پسند فکر کے تحت لکھے جانے والے ادب کے لوازمات کو بھی ان کے دونوں شعری مجموعوں میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ وہ عام آدمی کی زندگی ،اس کے مسائل پر ہی نہیں سوچتے بلکہ انسانی اقدار وروایات کی پامالی بھی ان کو بے چین کرتی ہے۔ شاعر کیوں کہ حساس دل رکھتا ہے لہذا بعض واقعات اور حادثے ہمیں وقتی طور پر متاثر کرتے ہیں پھر ہم ان سے در گزر کرکے اپنے روز وشب میں مگن ہو جاتے ہیں مگر شاعر ایسے واقعات پر جلتا کڑھتا ہے اور اسے اپنی لے میں بیان کرتا ہے۔ اور اس امید پر جیتا ہے کہ کبھی تو سحر ہو گی۔ محمد حسن عسکری نے ان کی شاعری کے بارے میں واضح اور سچی بات کہی تھی کہ :

> ''احمد ہمدانی کو سنوار کے شعر کہنے کا شوق ہے جو آج کمیاب ہوتا جارہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہیں پرانے مضمون میں سے نئے مضمون نکالنے کا بھی سلیقہ حاصل ہے۔ آسان اور سبک الفاظ، چھوٹی بحریں، دلالت کے بجائے اشارت یہ ان کا خاص انداز ہے۔'' [۲۶]

وہ خود کہتے ہیں:

گمان اپنا ہوں یا میں خیال اپنا ہوں
خلاصہ یہ کہ میں خود ہی کمال اپنا ہوں

## حواشی:


(۱) رفیع الدین ہاشمی، 'اصنافِ ادب' لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۱ء، صفحہ نمبر: ۳۱
(۲) محمد اقبال خاں ،اسدیؔ ،ڈاکٹر، 'ریڈیو پاکستان کی پچاس سالہ علمی اورادبی خدمات' کراچی: شہرزاد، پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء، صفحہ نمبر: : ۴۵۸
(۳) محمد اقبال خاں، اسدیؔ، ایضاً صفحہ نمبر: : ۴۵۹۔۴۵۸
(۴) انور سدید، ڈاکٹر، 'اردو ادب کی تحریکیں' کراچی انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۹۹ء، صفحہ نمبر: ۴۶۴تا۴۶۷
(۵) ماخذ: ذاتی کوائف مشمولہ: ''ہجر کی چھاؤں' مکتبہ اسلوب، کراچی، ۱۹۹۸ء، صفحہ نمبر: ۶
(۶) ماخوذ: 'افتتاحیہ' مشمولہ 'پیاسی زمین' کراچی: سیپ پبلی کیشنز، اشاعت اوّل، ۱۹۷۱ء، دوم ۱۹۹۴ء، صفحہ نمبر: ۵

(۷) ماخوذ: 'آئینہ' مشمولہ 'پیاسی زمین' بقیہ ایضاً، صفحہ نمبر: ۷
(۸) مشمولہ 'پیاسی زمین' بقیہ ایضاً، صفحہ نمبر: ۴۴
(۹) مشمولہ 'پیاسی زمین' بقیہ ایضاً، صفحہ نمبر: ۱۱
(۱۰) مشمولہ 'پیاسی زمین' بقیہ ایضاً، صفحہ نمبر: ۳۸
(۱۱) مشمولہ 'پیاسی زمین' بقیہ ایضاً، صفحہ نمبر: ۲۱
(۱۲) مشمولہ 'پیاسی زمین' بقیہ ایضاً، صفحہ نمبر: ۱۳
(۱۳) مشمولہ 'پیاسی زمین' بقیہ ایضاً، صفحہ نمبر: ۳۳
(۱۴) ماخوذ: فلیپ۔ مشمولہ 'پیاسی زمین' بقیہ ایضاً
(۱۵) ماخوذ: 'سچا شاعر' مشمولہ 'پیاسی زمین' بقیہ ایضاً، صفحہ نمبر: ۱۸
(۱۶) مشمولہ: ' ہجر کی چھاؤں' مکتبہ اسلوب، کراچی، ۱۹۹۸ء، صفحہ نمبر: ۱۳
(۱۷) مشمولہ: ''ہجر کی چھاؤں' مکتبہ اسلوب، کراچی، ۱۹۹۸ء، صفحہ نمبر: ۲۳تا۲۴
(۱۸) مشمولہ: ''ہجر کی چھاؤں' مکتبہ اسلوب، کراچی، ۱۹۹۸ء، صفحہ نمبر: ۹۸
(۱۹) مشمولہ: ''ہجر کی چھاؤں' مکتبہ اسلوب، کراچی، ۱۹۹۸ء، صفحہ نمبر: ۱۱۵تا۱۱۶
(۲۰) مشمولہ: ''ہجر کی چھاؤں' مکتبہ اسلوب، کراچی، ۱۹۹۸ء، صفحہ نمبر: ۱۲۴
(۲۱) مشمولہ: ''ہجر کی چھاؤں' مکتبہ اسلوب، کراچی، ۱۹۹۸ء، صفحہ نمبر: ۱۰۵
(۲۲) مشمولہ: ''ہجر کی چھاؤں' مکتبہ اسلوب، کراچی، ۱۹۹۸ء، صفحہ نمبر: ۴۳تا۴۷
(۲۳) مشمولہ: ''ہجر کی چھاؤں' مکتبہ اسلوب، کراچی، ۱۹۹۸ء، صفحہ نمبر: ۶۹تا۷۰
(۲۴) مشمولہ: ''ہجر کی چھاؤں' مکتبہ اسلوب، کراچی، ۱۹۹۸ء، صفحہ نمبر: ۵۲
(۲۵) مشمولہ: ''ہجر کی چھاؤں' مکتبہ اسلوب، کراچی، ۱۹۹۸ء، صفحہ نمبر: ۲۵
(۲۶) ماخوذ: فلیپ۔ مشمولہ 'پیاسی زمین' بقیہ حوالۂ سابقہ۔۔ایضاً